مولانا محمد الیاس اور ان کی دعوتی تحریک

محمد شاہد رفیع ☆

انیسویں صدی کے اواخر سے علمی حلقوں، خصوصاً ان علماء اور دانشور حضرات نے جو مذاہب کے مطالعہ سے دلچسپی رکھتے تھے، دنیا کے چھ مذاہب کو بڑے مذاہب کے طور پر تسلیم کیا(۱) اور ان کو دو زمروں، تبلیغی اور غیر تبلیغی، میں تقسیم کرتے ہوئے بدھ مذہب، عیسائی مذہب اور دین اسلام کو پہلے زمرے یعنی تبلیغی مذاہب میں شمار کیا جبکہ ہندومت، یہودیت اور زرتشتی مذہب کو ثانی الذکر زمرے میں شامل قرار دیا۔(۲)

تبلیغی مذاہب میں سے اسلام جس شانِ تبلیغ کا حامل ہے اس سے دیگر مذاہب (۳) ہی نہیں کوئی بھی اور تحریک (۴) کوئی نسبت نہیں رکھتی۔ ایسا ہونا فطری ہی نہیں ناگزیر امر بھی تھا کیوں کہ قرآن مجید میں اس امت کا مقصدِ وجود دعوت قرار دیا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون با لمعروف و تنھون عن المنکر﴾ (۵)

"تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرو"۔

نبی کریم ﷺ بھی مسلمانوں کو دعوت و تبلیغ کی اہمیت بتاتے اور اس پر عمل کی فضیلت اور اس کے ترک کرنے پر عذاب کی وعید سناتے رہے۔ حتیٰ کہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب کہ صحابہ کرامؓ کا سب سے بڑا اجتماع تھا یہ فرمایا :

"فلیبلغ الشاھد الغائب "(٦)

"جو یہاں موجود ہیں میری باتوں کو ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں نہیں ہیں"۔

☆ استاذ، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

یہ حکم آج بھی ہر مسلمان کے لیے باقی ہے کہ ان کو دین کے بارے میں جو کچھ معلوم ہو اسے دوسروں تک پہنچائیں۔

قرآن کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ کار دعوت سے غافل فرد کو نبی کا صحیح پیرو کار نہیں کہا جاسکتا، مثلاً فرمایا گیا:

﴿قل هذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني وسبحن الله وما انا من المشركين﴾ (۷)

"اے پیغمبرؐ! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں خود بھی پوری بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے رہا ہوں اور جو میرا اتباع کرتے ہیں وہ بھی۔ اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں"۔

اس آیت قرآنی سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ

۱۔ اللہ کی طرف دعوت دینا نبی کی اتباع کے ساتھ لازم ہے اور جو اس دعوت سے غفلت برتے گا وہ حضورؐ کا صحیح پیرو کار نہیں اور یہ کہ

آیت کے خاتمہ پر "وما انا من المشركين" کے الفاظ اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ دعوت الی اللہ کے فریضے کو نظر انداز کرنا مشرکین کی خصلت ہے۔ (۸)

دین اسلام میں فریضہ دعوت و تبلیغ کی اس قدر اہمیت کی وجہ سے دور نزول قرآن سے لے کر آج تک اس کو امت مسلمہ کی نظر میں ایک اہم فریضے کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ حتیٰ کہ علمائے اسلام نے اسے مسلمان قوم کا سب سے بڑا فرض قرار دیا ہے۔

مسلمان قوم کا سب سے بڑا فرض اس پیغام الٰہی کی معرفت، اس کی بجا آوری، اس کی تعلیم اس کی دعوت، اس کی اشاعت اور اس کے حلقہ بگوشوں کی ایک پوری برادری کا قیام اور اس کے حقوق کو بجا لانا ہے۔ (۹)

فریضہ دعوت و تبلیغ کو مسلمانوں اور امت مسلمہ کا امتیازی شعار کہا جاتا ہے۔ اوپر بیان کردہ آیت قرآن کے حوالے ہی سے مولانا امین احسن اصلاحی کہتے ہیں:

یہی فریضہ رسالت ہے جس کی وجہ سے اس امت کو خیر امت کہا گیا۔ اگر مسلمان اس فرض منصبی کو بھلادیں تو یہ دنیا کی دوسری قوموں میں سے بس ایک قوم ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کو اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ وہ دنیا میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں یا ذلت کے ساتھ بلکہ اس فرض کو فراموش کر دینے کے بعد وہ اسی طرح ایک معتوب قوم بن جائیں گے جس طرح دنیا کی دوسری قومیں معتوب ہو گئیں۔ (۱۰)

دین اسلام میں کار دعوت کی اس لازمی حیثیت کی وجہ سے ہر دور میں مسلمانوں نے دعوت کے اس فریضہ کو انفرادی اور اجتماعی طور پر ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہر مسلمان کی فطرت میں دعوت کا عنصر شامل ہے۔ اور کوئی بھی شعوری مسلمان جس کے گرد غیر مسلم موجود ہوں اسے لازماً ان تک دعوت پہنچانے کا خیال اور فکر رہتی ہے۔ ہاں ادوار، افراد اور گروہوں کے اعتبار سے انداز کار اور ترجیحات مختلف ہو سکتی ہیں۔ بلکہ درست تو یہ ہے کہ جن جن حالات اور زمانوں میں جس قسم کے کام کی ضرورت رہی اللہ سبحانہ، و تعالیٰ نے اس طرح کے افراد کار بھی پیدا کیے اور ان سے اسی طور کام بھی لیے۔ (۱۱)

آج کے دور میں جسے تخصص اور مہارت کا دور کہا جاتا ہے، ہر شعبہ زندگی سے وابستہ افراد اپنے اپنے شعبہ کی وسعت، اس کی تاریخ اور اس میں ہونے والے نئے تجربات اور تحقیقات سے آگاہ ہونا ضروری سمجھتے ہیں، ان تجربات و تحقیقات سے دوسروں کو مطلع کرتے ہیں اور اپنے شعبہ سے متعلق نئی نئی معلومات سے عدم واقفیت باعث عار سمجھی جاتی ہے۔ ایسے دور میں غالباً دعوت و تبلیغ ہی وہ واحد شعبہ ہے جس سے وابستہ افراد نئی تحقیقات اور اس شعبہ سے وابستہ دیگر افراد اور گروہوں کے تجربات سے نہ صرف یہ کہ استفادہ کی کوشش نہیں کر رہے بلکہ ان کو جاننے کی ضرورت کے ادراک سے بھی عاری ہیں۔ یہ بات کسی کا مضحکہ اڑانے کی غرض سے نہیں بلکہ اسے خود احتسابی کے عمل کا حصہ سمجھنا بہتر ہوگا۔ کیا ہم میں سے کسی نے ملکی اور غیر ملکی دعوتی تنظیموں کے تجربات جاننے اور ان سے استفادہ کی کوئی باقاعدہ، منظم، سنجیدہ اور مسلسل کوشش کی؟ ہم نے تو شاید اپنے ہی تجربات سے مستفیض ہونے کی بھی کوئی خاطر خواہ سعی نہیں کی ہے۔

تحقیق، معلومات اور تخصص کے اس دور میں دینی اور دعوتی تنظیموں کا ایک دوسرے کے حالات جاننا، ان کی تاریخ و پس منظر سے آگاہ ہونا اور ان کے بانی و اکابرین کے نظریات و خدمات سے واقفیت حاصل کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے۔ اسی تقاضے کی بجا آوری کی عاجزانہ کوشش کرتے ہوئے یہاں دور حاضر کی ایک اہم (شاید اہم ترین) (۱۲) دعوتی تحریک، تبلیغی جماعت کا تعارف پیش کرنے کی جسارت کی جارہی ہے۔

آغاز دعوت کے وقت کے حالات

سلطنت مغلیہ کا چراغ جو عرصہ سے چراغ سحری بنا ہوا تھا بھڑک کے بغیر ہی بجھ گیا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی بھی ابھی تک اپنے ثمرات نہ دکھا سکی تھی بلکہ اس وقت تک ناکامی و مایوسی میں اضافہ ہی پر منتج ہوئی تھی۔ اس کیفیت سے تاریخ و سیاست ہی نہیں ادب و ثقافت کے طالب علم بھی واقف نہیں۔ جب مولانا الیاس نے اس دنیا میں آنکھ کھولی تو انگریز کا اقتدار مستحکم ہو چکا تھا۔ آپ کے عنفوان شباب کا دور وہ تھا جب پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی جس کے اختتام پر ہندوستان پر انگریز کا قبضہ اور زیادہ مستحکم ہو گیا، مسلمان نہایت جوش و خروش کے ساتھ تحریک خلافت چلا کر ٹھنڈے پڑ چکے تھے اور مسلمانوں میں پائی جانے والی مایوسی انگریز سے مرعوبیت میں تبدیل ہونا شروع ہو گئی تھی۔ ان حالات میں مولانا محمد الیاس نے دہلی کے قریب ہی آباد ایک بستی میوات سے اپنے کام کا آغاز کیا۔

اس وقت کا میوات اور میواتی

دہلی کے جنوب میں واقع میوات میں اس وقت گوڑ گانوہ (۱۳) (انبالہ کمشنری صوبہ پنجاب) کا ضلع الور، بھرت پور کی ریاستیں اور صوبہ جات متحدہ کے ضلع متھرا کا کچھ حصہ شامل ہے (۱۴)۔ میو قوم کئی ملین افراد پر مشتمل ہے۔ (۱۵) یہ قوم بس یہ سمجھتی تھی کہ ہم مسلمان ہیں ورنہ یہ حقیقت میں تو نام کے مسلمان بھی نہیں تھے سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے

ان میں بجز اس خیال کے کہ "ہم مسلمان ہیں" اور کوئی چیز اسلام کی باقی نہ رہی اور ان کے نام تک مسلمانوں سے وہ موسوم ہوتے تھے۔ ان کے سروں پر چوٹیاں تھیں، ان کے ہاں مورتیاں پوجی جاتی تھیں........ عام دیہاتی باشندوں کو کلمہ تک یاد نہ تھا حتیٰ کہ نماز کی صورت تک سے وہ نا آشنا تھے۔

ان کے اندر جاہلیت کی تمام وحشیانہ عادات پائی جاتی تھیں گندی ناصاف زندگی، طہارت کے ابتدائی اصولوں تک سے ناواقف، عورت اور مرد سب نیم برہنہ اور شرم وحیا سے عاری، چوری، رہزنی، ڈکیتی اور دوسرے مجرمانہ افعال کا ارتکاب عام طور پر پھیلا ہوا تھا..... ان میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر اسی قسم کی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں جیسی عرب جاہلیت کے حالات میں آپ پڑھتے ہیں .... انگریزی حکومت اور الور اور بھرت پور کی ریاستیں وہاں امن قائم کرنے میں ناکام رہی تھیں۔(۱۶)

ان سیاسی و تمدنی حالات اور اس قسم کی قوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے مولانا محمد الیاس نے اپنے دعوتی کام کا آغاز کیا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ خود مولانا محمد الیاس کیسی شخصیت کے مالک تھے۔

مولانا محمد الیاس

آپ ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۶ء کو پیدا ہوئے، آپ کا تاریخی نام اختر الیاس ہے۔(۱۷) لاغر جسم پست قد، نحیف و نزار مگر چاق و چوبند، گندمی رنگ کے حامل مولانا محمد الیاس جنکی زبان لکنت کا شکار تھی(۱۸) داڑھی گھنی اور سیاہ صرف چندبال سفید تھے۔ صورت سے تفکر، چہرہ سے ریاضت، پیشانی سے عالی ہمتی نمایاں تھی۔ آپ کے والد کا نام محمد اسمٰعیل تھا۔ جن کے تین بیٹے تھے۔ پہلی بیوی سے مولانا محمد اور دوسری بیوی سے محمد یحیٰی اور محمد الیاس۔ ننھیال کی نسبت سے آپ کو کاندھلوی بھی کہا جاتا ہے۔ آپ بچپن ہی میں مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت ہوئے اور ان کی وفات کے بعد شیخ الہند مولانا محمود حسن کے مشورہ سے مولانا خلیل احمد انبیٹھوی شارح ابو داؤد سے بیعت ہو کر منازل سلوک طے کیں۔(۱۹) مولانا محمد الیاس کاندھلوی کی نانی بی امۃ الرحمٰن اور والدہ بی صفیہ نہایت نیک خواتین تھیں۔ والدہ نے شادی کے بعد قرآن مجید حفظ بھی کیا تھا۔(۲۰)

مولانا الیاس کے پرنانا مولانا مظفر حسین، حضرت شاہ محمد یعقوب دہلوی کے مجاز تھے اور ان کے حقیقی چچا مفتی الٰہی بخش شاہ عبد العزیز کے ممتاز شاگرد اور مرید تھے، وہ بعد میں سید احمد شہید سے بیعت ہوئے۔(۲۱)

تعلیم و تعلم

خاندان کے دوسرے بچوں کی طرح آپ بھی قرآن شریف اور مکتب کی ابتدائی تعلیم حاصل

کرتے رہے۔ قرآن شریف حفظ بھی کیا۔(۲۲) آپ بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ کے ساتھ ۱۳۱۴ھ میں یا ۱۳۱۵ھ کے شروع میں گیارہ بارہ سال کی عمر میں گنگوہ آگئے جہاں بڑے بھائی سے پڑھنے لگے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کی صحبت اور مجالس شب و روز آپ کو حاصل تھیں۔ مولانا گنگوہی کی وفات کے وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔(۲۳) شوال ۱۳۲۸ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم کے اکثر مدرسین حج قافلہ میں چلے گئے تو نئے اساتذہ کا تقرر ہوا جن میں مولانا الیاس بھی شامل تھے آپ متوسط کتابیں پڑھاتے تھے۔ حجاج کی واپسی کے بعد دیگر نئے اساتذہ فارغ ہو گئے لیکن آپ بدستور تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے اور یہ سلسلہ نظام الدین کا مدرسہ سنبھالنے تک جاری رہا۔(۲۴)

مولانا الیاس کے والد پہلے شخص ہیں جن سے اہل میوات کو خلوص اور محبت پیدا ہوئی، ان کی وفات (۴ شوال ۱۳۱۵ھ مطابق ۲۶ فروری ۱۸۹۸ء) پر بڑے بھائی مولانا محمد نے اس کام کو سنبھالا اور ان کی وفات (۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ) کے بعد مولانا الیاس ان کے جانشیں ہوئے (۲۵)۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مولانا الیاس اس سلسلے کے تیسرے بزرگ تھے تو پھر ان کو بانی سلسلہ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس سوال کے جواب کے لیے ہمیں دیکھنا ہو گا کہ ان کے والد کے کام کی نوعیت کیا تھی۔

مولانا محمد اسمٰعیل

مولانا محمد اسمٰعیل نیک اور متواضع انسان تھے۔ دین کی تعلیم اور مسافروں کی خدمت ان کا مشغلہ تھا۔ جو مزدور بوجھ لادے ہوئے پیاسے ان کے قریب سے گزرتے ان کو بلا کر ان کا بوجھ اتارتے اپنے ہاتھ سے کنویں سے پانی نکال کر انہیں پلاتے اور اس پر شکرانے کے دو نفل پڑھتے کہ اے اللہ تو نے مجھے اپنے بندوں کی خدمت کا موقع دیا۔(۲۶)

میوات سے تعلق مولانا اسمٰعیل ہی کا پیدا ہوا تھا۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ آپ اس تلاش میں نکلے کہ کوئی مسلمان گزرتا ہوا مل جائے تو اس کو مسجد لا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیں۔ چند مسلمان نظر آئے، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مزدور ہیں اور مزدوری پر جا رہے ہیں۔ ان کو جو رقم یومیہ مزدوری کی ملتی تھی وہ اپنے پاس سے دینے کا معاہدہ کر کے ان کو اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ ان کو نماز سکھاتے،

قرآن مجید پڑھاتے اور یومیہ مزدوری دے دیتے۔ یہ مولانا اسماعیل کی مسجد کے مدرسہ کی بنیاد تھی۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا اور ۱۰، ۱۲ میواتی طلبہ اس مدرسہ میں رہتے جن کا کھانا مرزا الٰہی بخش (۲۷) کے گھر سے آتا تھا۔ (۲۸)

مولانا محمد صاحب والد کا شروع کیا ہوا مدرسہ چلاتے تھے۔ اس میں زیادہ تر اہل میوات کے بچے پڑھتے تھے اور ابتدائی تعلیم ہوا کرتی تھی۔ اکثر وعظ بھی کرتے جن میں اخلاق و زہد کی احادیث سنا کر ترجمہ اور مطلب بیان کر دیتے تھے۔ (۲۹)

مولانا الیاس کا کام

بڑے بھائی مولانا محمد کے انتقال کے بعد مدرسہ کا انتظام آپ نے سنبھالا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ آپ کے والد کو باجماعت نماز کے لیے کسی آدمی کو تلاش کرنا پڑتا تھا اور مسجد میں مدرسہ قائم کر دیا گیا لیکن اس جانب آبادی کوئی نہ تھی۔ مولانا احتشام الحسن صاحب (۳۰) جو مولانا الیاس کی آمد کے کچھ ہی عرصہ بعد نظام الدین آگئے تھے، بیان کرتے ہیں کہ باہر نکل کر اس شوق میں کھڑا رہتا کہ کسی انسان کی صورت نظر آجائے۔ اگر کوئی آدمی نظر آجاتا تو ایسی خوشی ہوتی جیسے کسی نادر و تحفہ چیز کو دیکھ کر ہو۔ ایک مختصر سی پختہ مسجد، ایک مکان، ایک حجرہ، کچھ تھوڑے سے میواتی اور غیر میواتی طالب علم یہ کل کائنات تھی۔ (۳۱)

مسجد و مدرسہ کا انتظام اور اہل میوات اور دہلی کے افراد میں تعارف و تاثر موجود ہونے اور کاندھلہ، دیوبند اور سہارنپور کے علمی و مذہبی گھرانوں میں مقبول ہونے کے باوجود مولانا اسماعیل اور مولانا محمد کی حیات تک کام کی حیثیت محض غیر آباد سے علاقے میں ایک مسجد اور مدرسہ چلانے کی حد تک تھی۔ مولانا محمد کے انتقال کے بعد لوگوں کے اصرار پر آپ اس جگہ آگئے۔ نیاز مندی کا جو تعلق میوات کے مریدین و مخلصین کو آپ کے بھائی اور والد سے تھا اس کی بنا پر آپ کی آمد کی خبر سن کر وہ لوگ آپ کے پاس بھی آئے اور آپ کو میوات چلنے کی دعوت دی تاکہ لوگ آپ کی زیارت سے مشرف ہو سکیں۔ اہل میوات میں دینی بیداری اور ان کے ساتھ یہ قلبی اور جغرافیائی قربت آپ کو ورثہ میں ملیں لیکن اس کو تبلیغ کے کام میں لانے اور جماعتوں میں نکالنے کا عمل آپ ہی نے شروع کیا۔ اسی لیے آپ کو تبلیغی

جماعت کا بانی کہا جاتا ہے۔

میوات چلنے کے اصرار پر آپ نے وہاں پائیدار تبدیلی کے پیش نظر یہ شرط لگائی کہ اگر تم اپنے ہاں مکتب قائم کرو گے تو میں میوات چلتا ہوں۔ اس کام کو لوگ بہت کٹھن سمجھتے تھے لیکن مولانا کے پیہم اصرار پر ایک مکتب قائم ہو گیا۔ مولانا اہل میوات سے کہتے تھے کہ تم بچے مکتب کے لیے دے دو، معلمین کی تنخواہ میں لاؤں گا۔ اسی قیام کے دوران میں دس مکتب (۳۲) قائم ہوئے۔ کچھ ہی مدت میں یہاں کئی سو مکاتب ہو گئے۔ (۳۳)

مکاتب کے قیام سے غرض تو یہ تھی کہ بڑی تعداد میں لوگوں کو دینی باتیں سکھانے سے عمومی دینی فضا پیدا ہو گی اور ماحول بدلے گا لیکن کچھ عرصہ بعد آپ کو یہ خلش رہنے لگی کہ لوگ اپنے شوق اور خوشی سے بچوں کو مکتب میں نہیں بھیجتے دوسرے یہ کہ جو لوگ تھوڑا بہت دین سیکھ کر نکلتے ہیں وہ بھی جہالت اور بے دینی کے بحر ظلمات میں غرق ہو جاتے ہیں اسی لیے کہ علم دین کی عزت و قدر نہیں رہی، پھر یہ کہ لوگ عاقل و بالغ ہیں اور دینی احکام کے براہ راست مخاطب ہیں ان کو دین سکھانے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ یہ امر بھی پیش نظر تھا کہ عمومی اصلاح کے اور جو ذرائع دیگر لوگوں نے اختیار کیے ہیں ان سے کچھ لوگ اصلاح پر آمادہ ہوتے بھی ہیں کچھ نکل جاتے ہیں۔

شوال ۱۳۴۴ھ میں آپ دوسرے حج کے لیے گئے جس سے ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ کو کاندھلہ واپسی ہوئی۔ آپ کہتے تھے کہ اس عرصہ میں مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران میں مجھے یہ امر ہوا کہ ہم تم سے کام لیں گے۔ حج سے واپسی کے بعد مولانا نے تبلیغی گشت شروع کر دیا اور لوگوں کو بھی دعوت دی کہ عوام میں نکل کر دین کے اولین ارکان (کلمہ توحید اور نماز) کی تبلیغ کریں۔ (۳۴)

ان گشتوں کے ذریعہ سے لوگوں تک دین اور اس کی تعلیمات پہنچانا ثانوی درجہ رکھتا ہے، ان کا اصل مقصد خود گشت کرنے والوں کی اصلاح ہے۔ یہ بات تبلیغی جماعت کے بالکل آغاز سے لے کر آج تک اسی طرح سمجھی جاتی ہے کیونکہ مولانا الیاس کے نزدیک جماعتیں عوام اور جہلاء میں کلمہ اور نماز کی تبلیغ کریں گی تو ان کا اپنا سبق پختہ ہو گا۔ گشت کے علاقے میں اہل علم و دین کی مجلسوں میں بیٹھیں گے تو دین سیکھیں گے۔ دوسرے یہ کہ نکلنے کے زمانے میں یکسوئی کے ساتھ دین پر عمل کر سکیں گے۔ اس

غرض سے جماعتیں نکالنی شروع کی گئیں اور یہ سوچتے ہوئے کہ جہاں یہ لوگ جائیں گے وہاں ان لوگوں کو اپنی جہالت ، سادہ لوحی اور گنوار پن کی وجہ سے طنز وتعریض اور قہر و عتاب کا نشانہ نہ بننا پڑے ، مولانا الیاس نے پہلی جماعت اپنے علاقہ کاندھلہ روانہ کی۔(۳۵)

۱۹۲۶ء میں یہ کام شروع ہوا(۳۶)اور جب ۱۹۳۹ء میں سید ابو اعلیٰ مودودیؒ نے اس علاقہ کا دورہ کیا تو وہاں کی پہلے کی اخلاقی و تمدنی حالت کا ذکر کرنے کے بعد تحریر کیا :

"ان حالات میں جناب مولانا محمد الیاس نے وہاں کام شروع کیا اور دس بارہ سال کی مختصر مدت میں اس قوم کے بیشتر حصہ کی کایا پلٹ دی .... خود میو قوم میں علماء اور مبلغین کی ایک معتدبہ جماعت پیدا ہوگئی ہے۔ جو ان شاء اللہ اس قوم کو دین کے راستہ پر قائم رکھنے کی ضامن ہوگی.......... بعض علاقوں میں گاؤں کے گاؤں ایسے ہیں جہاں ایک بچہ بھی آپ کو بے نماز نہ ملے گا....... خود مجھ کو ان میں سے بعض بدوی مبلغین سے بات کرنے کا اتفاق ہوا اور ان کی سیدھی سادھی زبانوں سے ان کے مقاصد وارادے سنے تو مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ آغاز اسلام میں عرب بدوؤں کو جس روح نے صراط مستقیم کی تبلیغ کے لیے اٹھایا تھا وہی روح ان میں بھی بیدار ہو رہی ہے.......... ان کے الفاظ سن کر میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ یہی جذبہ تو تھا جس سے مخمور ہو کر صحابہ کرامؓ اٹھے تھے۔(۳۷)

دس اصول

جماعتوں کے نکالنے والے اس طریقہ تبلیغ کے لیے اکابرین تبلیغی جماعت نے دس اصول طے کیے ہیں، اور نظریہ یہ ہے کہ وہی ہدایت یافتہ اور مقرب بارگاہ الٰہی بنتا ہے جو صحیح اصولوں سے اس کام میں چلتا ہے ورنہ بے اصولی سے چلنے والے راستے ہی سے محروم کر دیے جاتے ہیں۔ اصول یہ ہیں :

۱۔ امیر کی اطاعت : امیر کے اکرام اور محبت کے ساتھ

۲۔ تکلیفوں پر صبر : زبان و قلب کی حفاظت کے ساتھ

۳۔ جان و مال کا خرچ : اخلاص کے ساتھ

۴۔ لوگوں کا اکرام اور ادائیگی حقوق کی رعایت

۵۔ تواضع : کھانے پینے چلنے اٹھنے بیٹھنے غرض ہر عمل میں

۶۔ اپنی احتیاج ہٹا کر چلنا : دوسروں کو محتاج سمجھ کر نہیں

۷۔ اللہ تعالیٰ کے توکل کے ساتھ چلنا اسباب کے اعتماد کے ساتھ نہیں لہذا قلت اسباب پر غمگین نہ ہوں اور کثرت اسباب پر نازاں نہ ہوں۔

۸۔ جو کچھ ہو جائے اس کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے سمجھے اپنی قربانی پر ناز نہ کرے اور جو قصور و خامی رہ جائے اس کو اپنی طرف منسوب کرے۔

۹۔ استغنٰی عن الخلق

۱۰۔ مشورے کو لازم پکڑے اور جماعت سے علاحدہ نہ ہو۔

چھ نمبر

مذکورہ بالا اصولوں سے بڑھ کر اصول کلمہ تبلیغی جماعت سے وابستہ لوگوں کو بتائے اور یاد کرائے جاتے ہیں وہ چھ باتیں ہیں جن کو مولانا الیاس تبلیغی چھ نمبر کہا کرتے تھے۔ اور اب یہ چھ نمبر کے نام سے معروف ہیں۔ یہ نمبر اور ان کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ کلمہ طیبہ : خدا کے حکموں پر عمل کرنے کا جذبہ اور بندگی کا تقاضا پیدا کرنے کے لیے

۲۔ نماز : اس کے ذریعہ سے پوری زندگی میں دینی احکام پر عمل کرنے کی مشق کی جائے

۳۔ علم و ذکر : علم اس لیے کہ خدا کے حکم اور ان کی ادائیگی کا طریقہ معلوم ہو اور ذکر اس لیے کہ بندگی کا جذبہ بڑھے اور خدائے تعالیٰ کی عظمت کا دھیان بندھ جائے۔

۴۔ اکرام مسلم : بندوں کے حقوق کا دھیان رکھا جائے خاص کر مسلمان کی عزت کا بہت خیال رکھا جائے کیونکہ مسلمان کے دل میں ایمان کا نور موجود ہے۔

۵۔ اخلاص نیت : مذکورہ بالا کام رضائے الٰہی کے لیے کرنے اور عمل سے مقصود صرف آخرت بنانا ہو۔

۶۔ تفریغ وقت : گھر اور کاروبار کے ماحول میں ان سب چیزوں کا دھیان رکھنا مشکل ہے اس لیے عملی مشق کی عادت ڈالنے کے لیے وقت فارغ کر کے جماعت کے ساتھ جائیں۔

اس کے علاوہ ساتواں نمبر بطور پرہیز اور شرط کے ہے اور وہ ہے "ترک لایعنی" یعنی غیر اہم اور غیر ضروری کاموں سے پرہیز کیا جائے، خصوصاً نکلنے کے زمانے میں۔ (۳۹)

مولانا الیاس کے ذہن میں کام کا خاکہ

آج اگر کسی ایسے فرد سے جو تبلیغی جماعت سے تھوڑا بہت واقف ہو یا وہ افراد جو اپنی زندگیاں اس کے لیے وقف کیے ہوئے ہوں، تبلیغی جماعت کے بارے میں دریافت کیا جائے تو اس کے جواب کا لب لباب یہ ہوگا کہ "یہ کوئی جماعت یا تنظیم نہیں بلکہ یہ تو دین کا کام ہے، نہ چندہ نہ اشتہار، بس لوگ دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ وہ کام ہے جو مولانا الیاس نے شروع کیا یہ کام اور اس کا طریقہ الہامی ہے۔ یہ نبیوں والا کام ہے جو شروع سے اسی طرح ہوتا آیا ہے"۔ (۴۰)

البتہ مولانا الیاس کے ذہن میں کام کا ایک تدریجی خاکہ تھا اور وہ گشت کی اس چلت پھرت کو اس کا بالکل ابتدائی مرحلہ سمجھتے تھے۔ ان کے ذہن میں دین کا پورا کام یہی نہیں تھا جسے بعد میں مکمل کام سمجھ کر مقدس حیثیت دے دی گئی ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا:

"ہماری جماعت کا اصل مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو حضور کا لایا ہوا دین پورا پورا سکھا دیں۔ یہ تو ہمارا مقصد ہے۔ رہی قافلوں کی چلت پھرت تو یہ اس مقصد کے لیے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ و نماز کی تلقین گویا ہمارے پورے نصاب کی الف ب ت ہے (۴۱)

مولانا منظور نعمانی نے بھی جو طویل عرصہ مولانا الیاس کے ساتھ رہے تحریر کیا کہ:

"مولانا کے ذہن میں اس (دعوت) کا ایک مرتب خاکہ ہے البتہ اس کے لیے ان کے نزدیک ترتیب و تدریج بہت ضروری ہے" (۴۲)

ایک اور موقع پر آپ نے کہا:

"میرا مدعا کوئی پاتا نہیں لوگ سمجھتے ہیں یہ تحریک صلوۃ ہے میں قسم سے کہتا ہوں ہرگز تحریک صلوۃ نہیں" (۴۳)

آپ کے ذہن میں جو خاکہ تھا اس پر عمل درآمد کا آپ کی ترتیب کے مطابق ابھی وقت نہیں آیا تھا البتہ کبھی کبھار اپنے معتمد لوگوں سے اس بات کا اظہار کر دیا کرتے تھے۔ ایک خط میں تحریر کیا:

''اس لائن میں بندہ ناچیز کے دماغ میں کچھ ایسے ایسے خیالات ہیں کہ قبل از وقت ہونے کی بنا پر زبان سے نکالنے کو جی نہیں چاہتا''۔(۴۴)

''پورا دین''، ''مرتب خاکہ''اور''وہ خیالات جو زبان سے اس وقت نہیں نکالے جا سکتے تھے'' کا مفہوم کیا ہے؟ اس پہلو سے جب ہم مولانا الیاس کے خیالات کو یکجا کر کے دیکھتے ہیں تو وہ آج کے نقشہ سے بہت مختلف نظر آتے ہیں۔ بلکہ شاید لوگ اس پر یقین بھی نہ کریں کہ ابتداء میں تبلیغی جماعت میں تنخواہ دار مبلغین بھی رکھے گئے (۴۵)، مرکز جماعت کے لیے ایک مکان کرائے پر حاصل کیا گیا (۴۶)، بلاد عرب میں کام کا آغاز کرنے کی اجازت حاصل کرنے کی غرض سے سلطان سے ملاقات کی گئی (۴۷)، جماعتوں کے نکالنے سے اگلا اور اعلیٰ مرحلہ عسکری دستوں کا نکلنا بتایا گیا (۴۸)، مولانا الیاس کی زندگی کا کوئی دور مجاہدانہ جذبہ و شوق اور عزم سے خالی نہ تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے مولانا محمود حسن سے باقاعدہ بیعت جہاد کی (۴۹)۔ آپ نے اپنی دعوت کو کئی مرتبہ سید احمد شہیدؒ کی تحریک کا تسلسل قرار دیا (۵۰)۔ آپ کا سید احمد شہیدؒ سے ایک خاندانی تعلق بھی بنتا ہے اور وہ اس طرح کہ آپ کی والدہ کے نانا مولانا مظفر حسین کے سگے چچا مفتی الٰہی بخش، سید احمد شہیدؒ سے بیعت ہوئے تھے (۵۱)۔ اپنے کام کی حیثیت، ابتدائی نوعیت کی ہونے کا ذکر مولانا الیاس نے متعدد مواقع پر کیا۔ محولہ بالا گفتگو کے علاوہ اپنے مکاتیب میں بھی آپ نے یہ بات تحریر کی ہے مثلاً مکتوب میں دین کو باغ سے تشبیہ دیتے ہوئے اپنے تبلیغی کام کو زمین ہموار کرنے اور بارش کے برابر قرار دیا اور باقی امور باغ کی پرورش کرنے کے بتائے (۵۲)۔ ایک اور خط میں تحریر کیا:

''جس قوم کی پستی کلمہ لا الہ الا اللہ کے لفظوں سے بھی گر چکی ہو وہ ابتداء سے درستی کیے بغیر انتہا کی درستی کے کب قابل ہو سکتی ہے؟ انتہا ابتدا کے درست ہوئے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس لیے میں نے درمیانی اور انتہائی خیالات بالکل نکال دیے''۔(۵۳)

مولانا الیاس یہ منصوبے اور احیائے دین کا یہ نقشہ اپنے دل ہی میں لیے ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء کو جمعرات کے روز دنیا سے رخصت ہو گئے (۵۴) پس ماندگان میں ایک بیٹا مولانا محمد یوسف جو ان کے بعد تبلیغی جماعت کے امیر بنے اور ایک بیٹی عطیہ جو تبلیغی جماعت کی سب

سے قد آور شخصیت (۵۵) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے نکاح میں آئیں تھے۔ مولانا زکریا کی پہلی بیوی کے انتقال کے بعد ۸ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۸ جون ۱۹۳۷ء کو مولانا زکریا کا عقد عطیہ سے ہوا (۵۶)۔ مولانا زکریا، مولانا الیاس کے سگے بڑے بھائی مولانا محمد یحیٰ کے صاحبزادے تھے (۵۷) تبلیغی جماعت کے دوسرے امیر مولانا محمد یوسف جو حضرت جی کے لقب سے معروف ہیں اور تیسرے امیر مولانا انعام الحسن، یہ دونوں مولانا زکریا کے داماد تھے۔ دونوں کا نکاح مولانا حسین احمد مدنی نے ۳ محرم ۱۳۵۴ھ کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے سالانہ جلسہ میں پڑھایا۔ (۵۸) مولانا محمد یوسف کا نکاح مولانا زکریا کی صاحبزادی زکیہ سے اور مولانا انعام الحسن کا نکاح ذاکرہ سے ہوا۔ (۵۹)

۱۳۲۶ھ میں مولانا محمد کے انتقال کے بعد مدرسہ سنبھالنے اور پھر جماعتیں نکالنے کا کام شروع کر کے ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۴ فجر کے وقت (انتقال) تک مولانا الیاس سربراہ امیر رہے۔

مولانا الیاس کے مرض وفات میں لوگ جانشینوں کے بارے میں سوچتے تو انہیں کوئی فرد بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اتنا تیار ہو چکا ہو جو اس کام کو سنبھال سکے (۶۰) بہر حال ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء کو بعد نماز فجر مولانا محمد یوسف امیر بنے اور ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۶۵ء کی نماز جمعہ کے بعد (انتقال) تک تبلیغی جماعت کے امیر رہے۔ (۶۱)

مولانا محمد یوسف کے بعد مولانا انعام الحسن تبلیغی جماعت کے تیسرے امیر مقرر ہوئے اور اپنی وفات ۱۰ محرم ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۰ جون ۱۹۹۵ء تک امیر رہے۔ (۶۲)

مولانا انعام الحسن کے بعد سے اب کوئی فرد تبلیغی جماعت کا امیر نہیں ہے بلکہ ''شوریٰ'' کام چلاتی ہے۔ البتہ اس میں حاجی عبد الوہاب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

مقصود کلام

جیسا کہ اس مقالہ کے شروع میں عرض کیا گیا کہ جب جس طرح کے کام کی ضرورت ہوئی

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کا انتظام فرمایا۔ حضرت عبدالقادر رائے پوری نے یہی بات کچھ یوں فرمائی :

"صحابہ کے زمانے میں لوگ دلائل کو نہیں جانتے تھے بس لڑائیاں ہی جانتے تھے اس زمانے میں صحابہ نے اسلام پر دلائل نہیں بیان فرمائے............ جنگوں ہی سے لوگ مسلمان ہوتے تھے.......... (یہ بیان لائق وضاحت بلکہ محل نظر ہے۔ م۔ ش) بعد میں فلسفیوں کا زمانہ آیا، ....وہ دلائل سے بات کرتے تھے ایسے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے فارابی وغیرہ کو پیدا فرمایا۔" (۶۳)

مقصود کلام یہ کہ آج کے دور میں امت مسلمہ کے اہل دعوت کو چند مسائل در پیش ہیں۔ آج مادہ پرستی بھی موجود ہے اور اسلامی وغیر اسلامی روحانیت بھی، آج فلسفہ بھی ہے اور محسوسات و طبیعیات کی عملداری بھی، آج کائنات بے کراں بھی نظر میں ہے اور دنیا ایک گاؤں کی شکل بھی اختیار کر گئی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی آج سورج میں اترنے اور نیا انسان پیدا کرنے کو بھی ممکنات میں سے سمجھتی ہے اور علمی اور فنی لحاظ سے قحط الرجال کا بھی شدید سامنا ہے۔ ایسے حالات میں ضروری ہے کہ دعوت دین کا کام بھی مختلف انداز، مختلف جہتوں، مختلف سطحوں اور مختلف وسائل کے ساتھ سرانجام دیا جائے اور الحمدللہ ایسا ہو بھی رہا ہے لیکن اگر ان سب کے لیے مشترکہ ہدف یعنی لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلانے کا عمل سب کے سامنے بالکل واضح ہو اور اس کے نتیجے میں ذاتی، گروہی اور جماعتی تعصبات ختم ہو جائیں اور مختلف سمتوں سے مربوط انداز میں دعوتی کام کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم دنیا بھر میں پھیلی ہوئی سکون کی متلاشی، بے چین انسانیت کو اسلام کے سلامتی اور امن والے دین کے قریب تر نہ لا سکیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ دسمبر ۱۸۷۳ء میں ویسٹ منسٹر ایبے میں منعقد ہونے والے مسیحی مشنوں کے دعائیہ جلسہ میں پروفیسر میکس ملر نے اپنے لیکچر میں یہ بات کہی اور جلد ہی یہ خیال خاص و عام میں پھیل گیا۔ (دی پریچنگ آف اسلام ص ۱) اس تصور کے عام ہونے میں لازماً کچھ وقت لگا ہوگا اس لیے قرین صواب یہی ہے کہ کسی خاص موقع اور تاریخ اسے انیسویں صدی کے آخر میں عام ہونے والا تصور قرار دیا جائے۔

۲۔ آرنلڈ، ٹی ڈبلیو، دی پریچنگ آف اسلام ، شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور، چوتھی اشاعت ۱۹۷۹ء ص ۱

۳۔ یہ صحیح ہے کہ آج عیسائی مبلغین ،ان کی انجمنیں اور ان کے وسائل وسیع پیمانے پر تبلیغی کاموں میں لگے ہوئے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ خود مذہب عیسائیت میں دعوتی کام، لازمی یا اہم تین فرائض میں سے نہیں ہے۔

۴۔ نازی، اشتراکی دیگر قوم پرست یا نظریاتی تحریکوں کے بہت سے پیروکاروں کی ناقابل یقین قربانیوں کے باوجود اہلِ اسلام کی کوششوں ، جدوجہد اور جذبہ کے تسلسل ، تناسب اور تنوع سے ان کی کوئی مطابقت نہیں۔

۵۔ القرآن، آلِ عمران ۳ :۱۱۰

۶۔ صحیح بخاری ، باب الخطبہ یوم منیٰ ، کتاب الحج ، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۹۶۱ء ، ج ۱، ص ۲۳۴

۷۔ القرآن، یوسف ۱۲ : ۱۰۸

۸۔ حقانی ، منظور الحق ، دعوت الی اللہ ہر مسلمان کی ذمہ داری۔ دعوۃ اکیڈمی ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد ۱۹۸۹ء، ص ۹، ۱۰

۹۔ ندوی ، سید سلیمان ، اسلام کا نظام دعوت و تبلیغ ، دعوۃ اکیڈمی ، بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد بار چہارم، ۱۹۹۸ء، ص ۵

۱۰۔ اصلاحی، امین احسن، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۸۱ء ص ۳۱، ۳۲

۱۱۔ نعمانی، محمد منظور، معارف الحدیث، عمر فاروق اکیڈمی لاہور، ج ۱، ص ۱۰

۱۲۔ ممتاز احمد، مقالہ بعنوان: Islamic Fundamentalism in South Asia: The Jamaat-i-Islami and the Tablighi Jamaat of South Asia فنڈامنٹلزم آبزروڈ، (ادارت مارٹن۔ ای۔ مارٹی) شکاگو یونیورسٹی پریس، شکاگو، ۱۹۹۱ء، باب ۸، ص ۴۵۷

۱۳۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اکتوبر ۱۹۳۹ء کے ترجمان القرآن کے شمارہ میں اس کا تلفظ گوڑ گانواں کیا ہے۔

۱۴۔ ندوی، ابو الحسن علی، سید، مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت، مجلس نشریات اسلام آباد کراچی، ۱۹۸۵ء باب سوم، ص ۷۰

۱۵۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اپنے مضمون "ایک اہم دینی تحریک" میں، جو اکتوبر ۱۹۳۹ء کے ترجمان القرآن میں شائع ہوا، ان کی تعداد تقریباً ۲۶ لاکھ بتائی ہے۔

۱۶۔ مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، ایک اہم دینی تحریک، مکتبہ اسلامی ڈائجسٹ لاہور، ص ۴، ۵ (اکتوبر ۱۹۳۹ کے ترجمان القرآن میں شائع ہونے والے مضمون کو طبع کیا گیا)

۱۷۔ وحید الدین خان، تبلیغی تحریک، المکتبہ الاشرافیہ لاہور، ص ۸، ۹

۱۸۔ آپ کو مولانا الیاس کے نام ہی سے یاد کیا جاتا ہے یا پھر مولانا محمد الیاس۔ بعض حضرات مولانا محمد الیاس کاندھلوی بھی کہتے ہیں۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ آپ کا نام اختر الیاس تھا اور ابتداءً آپ نے محمد الیاس اختر کا نام استعمال بھی کیا ہے مثلاً دیکھیے وہ مکتوب جو مولانا نے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے مہتمم کو فرائض تدریس سے ایک سال کی چھٹی کے لیے تحریر کیا۔ (مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۶۵)

۱۹۔ دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، طبع اول ۱۹۸۶ء ج ۱۹، ص ۳۷۳

۲۰۔ مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۴۹

۲۱۔ ندوی، سید سلیمان، مقالہ بطور مقدمہ، مولانا الیاس اور اس کی دینی دعوت، ص ۱۸

۲۲۔ ایضاً ص ۵۱

۲۳۔ ایضاً ص۵۳

۲۴۔ ایضاً ص۶۵

۲۵۔ ایضاً ص۶۶

۲۶۔ ایضاً ص۴۶

۲۷۔ مرزا الٰہی بخش ، بہادر شاہ ظفر کے سدھی تھے جن کے بچوں کو مولانا اسماعیل پڑھایا کرتے تھے (مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۴۵)

۲۸۔ مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت، ص ۴۷

۲۹۔ ایضاً ص۴۶

۳۰۔ مولانا احتشام الحسن، ڈاکٹر محمود احمد غازی (وفاقی وزیر مذہبی و اقلیتی امور اور نائب صدر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد) کے نانا کے سوتیلے بڑے بھائی تھے۔ آپ بچپن ہی میں بستی نظام الدین آگئے تھے۔ ڈاکٹر غازی نے راقم سطور سے بیان کیا کہ "جب مولانا الیاس تبلیغی جماعتیں نکالنے کا کام شروع کرنا چاہتے تھے تو انہوں نے مولانا اشرف علی تھانوی سے اس کی اجازت چاہی، اس پر مولانا تھانوی کو کئی تحفظات تھے جس کی وجہ سے کئی دن ان دونوں کے مذاکرات ہوتے رہے۔ ان دنوں میں مولانا الیاس کا قیام ہماری والدہ کے ایک چچا کے گھر پر ہی تھا۔" ڈاکٹر غزالی (محمود غازی کے بھائی) کا کہنا ہے کہ وہ چچا مولانا احتشام الحسن ہی تھے۔ ابتداءً ان کے چند کتابچے تبلیغی جماعت کے لٹریچر میں شامل تھے لیکن بعد میں فضائل و حکایات ہی تبلیغی جماعت کا کل لٹریچر قرار پایا۔ تاہم اب بھی تبلیغی نصاب کے بعض نسخوں میں مولانا احتشام الحسن کا ایک مضمون "مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج" بطور ضمیمہ شامل ہے۔ جسے مولانا الیاس نے مروجہ تبلیغی نصاب کے ساتھ بنیادی لٹریچر میں شامل کیا تھا۔ (دیکھیے تبلیغی جماعت کی دینی جدوجہد ص ۵۹۲) ۔ جن چھ افراد کو مولانا الیاس نے اپنے بعد امیر بننے کا اہل سمجھا ان میں سے ایک آپ ہیں۔

۳۱۔ مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ص۶۶

۳۲۔ مکتب سے مراد مروجہ دینی مدرسہ نہیں ہے بلکہ ٹاٹ کے فرش پر کسی درخت کے نیچے قرآن مجید پڑھانے اور کچھ ابتدائی دینی معلومات دینے کے عمل کو مکتب کہا گیا۔ اس میں راہ گیروں

کے لیے حقہ پانی کا انتظام ہوتا تاکہ اس بہانے ان کو دین کی تلقین کی جا سکے (مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت، ص ۱۶۰)

۳۳۔ مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۷۹

۳۴۔ ایضاً ص ۸۴

۳۵۔ ایضاً ص ۸۶۔۸۹

۳۶۔ ممتاز احمد، ص ۵۱۰

۳۷۔ ایک اہم دینی تحریک ص ۵۔۸

۳۸۔ سعید، احمد خان، مکتوبات، مرتب مفتی محمد روشن شاہ قاسمی احسن المطابع صادق آباد، جولائی ۱۹۹۵ء، ص ۴۶

۳۹۔ عاشق الٰہی بلند شہری، ضمیمہ تبلیغی نصاب، "دین کا کام کرنے والوں کے لیے تبلیغی چھ باتیں" محمد سعید اینڈ سنز ناشران و تاجران کتب کراچی، ص ۲، ۳

۴۰۔ یہ سوال راقم سطور نے ایک ایسے الیکٹریشن سے پوچھا جس کا پورا خاندان تبلیغی جماعت سے وابستہ ہے اور جو اکثر رائے ونڈ میں خدمات سر انجام دینے جاتا رہا ہے اور یہی سوال ایک کالج پروفیسر سے رائے ونڈ کے اجتماع میں جاتے ہوئے پوچھا، دونوں کا جواب اسی طرح تھا۔

۴۱۔ چھ باتیں ص ۲۶

۴۲۔ نعمانی، محمد منظور، مقدمہ، مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت، ص ۳۳

۴۳۔ مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت، ص ۱۹۹

۴۴۔ ایضاً ص ۲۶۵

۴۵۔ ایضاً ص ۹۵

۴۶۔ تبلیغی جماعت کی دینی جدوجہد، خصوصی اشاعت ماہنامہ الرشید لاہور، شمارہ ۷، ۸، جلد ۲۶، مارچ۔اپریل ۱۹۹۸ء ص ۱۱۸

۴۷۔ ایضاً ص ۹۸

۴۸۔ ایضاً ص ۲۳۸

۴۹۔ ایضاً ص ۵۸

۵۰۔ ندوی، ابوالحسن علی، کاروانِ زندگی، ص ۲۸۰،۲۸۱

۵۱۔ مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۴۴۔۴۵

۵۲۔ مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۲۴۲

۵۳۔ ایضاً ص ۲۴۳

۵۴۔ تبلیغی جماعت کی جدوجہد ص ۲۰

۵۵۔ تبلیغی جماعت میں حضرت شیخ الحدیث کے لقب سے مولانا زکریا ہی کو یاد کیا جاتا ہے۔ جماعت کے کاموں کی تشہیر اور فروغ کے لیے کوئی کتاب شائع کرنا یا رسالہ نکالنا معیوب سمجھا جاتا ہے

اس فضاء میں ایک ماہانہ رسالہ "یادگار شیخ" کا نکلنا اس کا واضح ثبوت ہے۔ (دیکھیے "ماہنامہ یادگار شیخ سہارنپور" یادگار شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنی۔ مدیر سید محمد شاہد سہارنپوری)

۵۶۔ ندوی، سید ابوالحسن علی، سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، مجلس نشریات اسلام آباد کراچی، بار دوم ۱۹۸۳ء ص ۷۲

۵۷۔ مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۱۶۹

۵۸۔ تبلیغی جماعت کی دینی جدوجہد ص ۲۱۔۲۲

۵۹۔ سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، ص ۷۱

۶۰۔ تبلیغی جماعت کی دینی جدوجہد ص ۲۰۔۲۱

۶۱۔ عزیز الرحمٰن بجنوری، مفتی، تذکرہ امیر تبلیغ مولانا محمد یوسف دہلوی، ذوالنورین اکیڈمی، سرگودھا، ۱۹۸۰ء، ص ۱۱۸

۶۲۔ تبلیغی جماعت کی دینی جدوجہد ص ۱۳۷

۶۳۔ ارشد، عبدالرشید، بیس بڑے مسلمان، مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۵۸۲

فلسفہ نماز

نماز جیسے زمین کے مختلف حصوں پر پھیلی ہوئی دھوپ اور روشنی آفتاب کے نور کا ایک ٹکڑا ہے، اس کا پورا نور اس میں نہیں آیا، اور اس وجہ سے اس کی بڑائی اور اس کی چھوٹائی لازم ہے، ایسے ہی اپنی ہستی کو ایک حصہ حقیر سمجھے اور خدا کے وجود کو عظیم الشان خیال کرے، ادھر جیسے آفتاب کے زمین پر پھیلی ہوئی دھوپ کی علت اور سبب ہونے کی وجہ سے آفتاب کا علو مراتب اور زمین کے نور کے مرتبے میں کمی لازم ہے، ایسے ہی خدا کے علو مراتب اور اپنی پستی مرتبہ کا اعتقاد اور اقرار ضروری ہے۔

(مولانا محمد قاسم نانوتوی، حجۃ الاسلام)